بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

آج پاکستان کی قیادت کرنے والی ٹیم جن افراد پر مشتمل ہے، اُن کے پاس اور کچھ نہیں تو کم سے کم کچھ خدمات اور کچھ "قربانیاں" ضرور ہیں (اگرچہ ان خدمات اور قربانیوں کے باوجود موجودہ وزارت اور قیادت کے خلاف نفرت کا کھلا کھلا اظہار ہونے لگا ہے، اور کلکتہ کے حالیہ واقعات تو نہرو گورنمنٹ کے خلاف عدم اعتماد کا نہایت تلخ مظاہرہ ہیں) لیکن پاکستان کی سربراہ کاری کے لئے جو ٹیم تقدیر الٰہی کی طرف سے نامزد ہوئی ہے اس کے افراد پر زمانہ اتنا مہربان رہا ہے کہ وہ ایک پیسے کی قربانی دیئے بغیر، ایک دن جیل میں گذارے بغیر، اپنی عادات میں کسی قسم کا تغیر و تبدل کیئے بغیر سیدھے صوفوں سے اُٹھ کر قالینوں پر قدم رکھتے ہوئے اقتدار کی مسندوں پر براجمان ہو گئے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو محض اپنی جاگیرداریوں، اپنی ملازمتوں، اپنے کاروباروں اور اپنی وکالتوں کے زور سے لیڈر بنے ہیں، اور ان کو علم، اخلاق اور سیاسی خدمات میں امتیازی مقام حاصل کرنے کی ضرورت کبھی پیش نہیں آئی۔

اب ایسے لوگوں کو اگر ایک قوم کے سپید و سیاہ کا مالک بنا دیا جائے تو وہ اس کے سوا آخر اور کریں گے کیا کہ انہیں اپنی اغراض کو پورا کرنے کے لئے جو مواقع مل سکیں اُن سے فائدہ اٹھائیں۔ قانون اور اختیار سے جو خدمت لی جا سکے وہ لیں۔ عیش و راحت کے زیادہ سے زیادہ ذرائع پر قبضہ کریں، ٹھاٹھ باٹھ اور اسکبار کے مظاہرے کے لئے قوم اور ریاست کے خزانے پر زیادہ سے زیادہ بار ڈالیں، ------ اس کے سوا آخر اور کسی چیز کی توقع ان حضرات سے کس بنا پر کی جا سکتی ہے۔

چنانچہ پاکستان کے صوبوں کی وزارت عظمیٰ جیسے محترم مناصب کے لئے جن افراد کو بہترین قرار دے کے آگے لگایا گیا تھا، انہوں نے خیانت کی سخت گھناؤنی صورتیں اختیار کیں، انہوں نے عہدوں کے تحفظ کے لئے، اپنے ایم ایل اے ساتھیوں کی حمایت حاصل کرنے کے لئے ذلیل ترین چالیں چلیں، انہوں نے کاربرآری کے لئے مکروہ ترین اسالیب اختیار کیں اور انہوں نے قوم کے امانتی اموال کو اپنے ساتھیوں کا اعتماد خریدنے کے لئے بطور رشوت استعمال کیا۔ اور انہوں نے قومی فنڈز کو علانیہ خرد برد کیا۔ پھر ان کے ساتھ کام کرنے والے وزرا اور پارلیمنٹری

سیکرٹریوں نے ایوانِ حکومت میں باقاعدہ اکھاڑے قائم کئے، اور ہمارے ایم، ایل، اے حضرات جو سیاسی حیثیت سے قوم کا کھن قرار پائے تھے، ٹولیاں ٹولیاں ہو کر آپس میں دست و گریباں ہوتے رہے اور ایک دوسرے کے خلاف الزام تراشیوں اور غیبتوں کا طوفان بپا کرنے میں مصروف رہے۔ پھر ان حضراتِ اکابر نے اخبار نویسوں کے ضمیر خریدے اور ان کے دماغ اور قلم کرائے پر حاصل کئے، انہوں نے رائے عامہ کو اپنے ساتھ لینے کے لئے بے شمار دلال میدان میں چھوڑے۔ پھر غضب یہ کہ ان قائدینِ کرام نے انگریز کے ترکے میں حاصل کئے ہوئے پبلک سیفٹی ایکٹ کو اختلاف کرنے والوں، تعمیری تنقید کرنے والوں اور اصلاح کا علم بلند کرنے والوں کے خلاف ایسے اندھا دھند طریق سے استعمال کیا کہ بس

"ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں"

کا سماں پیدا ہو گیا۔

یہ ساری شطرنج سیاست اس حال میں کھیلی گئی جب کہ کشمیر کے مسلمان زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھے اور محاذِ کشمیر پر مجاہد نوجوان اپنا خون بہا رہے تھے۔ یہی لوگ ایک طرف جہادِ کشمیر کے داعی تھے اور جہادِ کشمیر کا واسطہ دلا دلا کر قوم سے قربانیوں کی اپیل کر رہے تھے لیکن دوسری طرف یہی وہ لوگ تھے جو سب سے زیادہ بے باکی کے ساتھ جہادِ کشمیر کی سرگرمیوں کو نقصان پہنچا رہے تھے ------ اور آج اگر مسئلہ کشمیر کھٹائی میں پڑا ہوا ہے تو اس کی ذمہ داری بہر حال انہی کے زریں کارناموں پر عائد ہوتی ہے۔

مغربی پنجاب جو پاکستان کا اہم ترین صوبہ ہے اور جس کے صلاح و فساد پر پورے پاکستان کے صلاح و فساد کا دارومدار ہے، قیادت نے جب اسے طرح طرح کے ناقابلِ علاج روگ لگا دیئے اور عوام کا اضطراب حد سے بڑھ گیا تو مرکز کو ہوش آئی اور گورنر جنرل نے اپنے اختیاراتِ خصوصی سے کام لے کر اس صوبے کی وزارت اور پوری اسمبلی کو نا اہلیت اور فرض ناشناسی کی سند دے کر برطرف کر دیا۔

ادھر صوبہ سرحد میں قیوم وزارت کا چنگیزی راج رائے عامہ کو اس بری طرح پامال کر رہا ہے اور جمہوریت کو اپنی کند چھری سے اس بے باکی سے ذبح کر رہا ہے کہ کوئی احتجاج اس کے لئے قابلِ توجہ نہیں ہے، پبلک اور اسٹیج سے جو لعنتیں اس پر برس رہی ہیں، اس کی کوئی پروا نہیں ہے۔ حد یہ کہ عدالتوں اور قانون تک کو وزارتی

گردنیں اپنے دباؤ کے نیچے لے رکھی ہیں۔ پورے صوبہ سرحد میں شہری آزادیوں کا قطعی خاتمہ ہو چکا ہے۔ جھوٹے الزامات لگا کر اختلاف کرنے والوں کو گرفتار کیا جاتا ہے، بناوٹی مقدمات چلائے جاتے ہیں اور پھر قانون کے تقاضوں کے خلاف گرفتار شدگان سے نہایت کمینہ سلوک کیا جاتا ہے۔ پھر اخلاقی پستی کا یہ حال کہ کھلے واقعات کے خلاف وزارت برسرِ عام ٹوپی یا دلیری سے جھوٹ بول لیتی ہے۔ مرکز اس صورتِ حالات کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت کر رہا ہے، بلکہ درحقیقت اس کی پوری حمایت قیوم وزارت کی پشت پر ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ بغیر اس کے قیوم وزارت کی یہ مجال نہیں کہ اندھیر گردی مچا سکے۔

پھر جو یہ منظر دیکھئے جہاں کی قیادت کا ایک ستونِ اعظم بداخلاقی کی دیمک کا لقمہ ہو کر گر پڑا تو جو دوسرا اس کی جگہ کھڑا کیا گیا، وہ اور بھی بودا ثابت ہوا اور پھر اس ادل بدل میں جو سازشی حرکات بڑوں نے سرانجام دی ہیں، وہ ہماری گردن شرم سے جھکا دینے کے لئے کافی ہیں۔

یہ نہ سمجھئے کہ اس افراتفری کی ذمہ داری چند مخصوص افراد پر عاید ہوتی ہے جن کے ذلیل کارنامے بالکل کھل کر سامنے آ چکے ہیں، اصل واقعہ یہ ہے کہ ساری بھیڑیں کالی ہیں اور قیادت کی لنکا میں جو ہے وہ باون گزے کا ہے۔ یہ کچھ لوگوں کی خوش قسمتی ہے کہ ان کی شرافت کی زریں قبائیں ابھی پوری طرح تار تار ہونے نہیں پائیں، ورنہ یہاں جو بڑے سے بڑے "تقدس مآب" پائے جاتے ہیں، اُن کو بھی آج گھسیٹ کے کسی بے لاگ عدل پرور عدالت میں لا کھڑا کیا جائے تو یہ چھپے رستم کھلے رستموں کے کان کترنے والے ثابت ہوں گے ـــــ اور پھر اگر کوئی اکا دکا فرد براہِ راست گندے جرائم میں حصہ دار بھی نکلے تو اس کی شخصی پاک دامنی کو قیادت کی پوری ٹیم پر نہیں پھیلایا جا سکتا اور نہ اس کے طفیل ساری "منڈلی" کو معاف کیا جا سکتا ہے۔

غور فرمائیے! یہ وہ لوگ ہیں جو غیر مسلم اقوامِ عالم کے سامنے اپنے مسلم ہونے پر فخر کرتے ہیں، یہ دعوے کرتے ہیں کہ ہمارا خدا ہے، ہم ایک بہترین نمونۂ انسانیت کو اپنا نبی ماننے والے ہیں، ہمارے پاس قرآن نام کا آسمانی ضابطۂ حیات ہے، ہماری پشت پر ایک بے مثال تاریخِ عظمت اپنے شاندار روایات کے خزانے لئے موجود ہے، ہم خلافتِ راشدہ پر نگاہیں مرتکز کرنے والے لوگ ہیں، ہم دین کو سیاست سے الگ نہیں مانتے ـــــ اور پھر یہ اس اُمت کے افراد ہیں جو ساری دنیا کی امامت کے منصب پر بٹھائی گئی تھی، جسے اصلاحِ انسانیت اور تعلیم و تربیتِ اقوام کا فریضہ سونپا گیا تھا!

پھر یہی وہ لوگ ہیں جو کل تک ہندوؤں اور سکھوں کے سامنے یہ دعوے لے کے کھڑے ہوئے تھے کہ ہمارا دین

الگ ہے، ہماری زندگی کے بنیادی اصول جدا ہیں، ہماری تہذیب تم سے مختلف ہے، ہم اپنا سیاسی و معاشی نظام جداگانہ قسم کا رکھتے ہیں، لہٰذا ہم مجبور ہیں کہ اپنے لیے ایک جداگانہ خطۂ ارضی کا مطالبہ کریں اور اپنی اسلامی حکومت الگ قائم کریں۔ کوئی ان سے پوچھے کہ کیا آپ کا دین، آپ کے اصول، آپ کی تہذیب اور آپ کی اسلامی حکومت یہی تھی جس کا مظاہرہ آپ دنیا کی کافر اقوام کے لیڈروں سے بھی پست تر ہو کر کر رہے ہیں؟

پھر یہ عین وہی لوگ ہیں جو اپنی پوری سیاسی تحریک میں اپنی غلط سے غلط سرگرمیوں میں اسلام کو ساتھ ساتھ گھسیٹتے پھرے ہیں، انہوں نے قرآن کی آیتوں اور حدیث کی روایتوں کو اپنی قوم پرستانہ کشمکش کے ہر مرحلے میں استعمال کیا ہے، انہوں نے پاکستان کے معنی ہمیشہ لا الٰہ الا اللہ بیان کیے ہیں ۔۔۔ لیکن افسوس کہ ان کی محبت اسلام کے، ان کی خداپرستی کے، ان کی حُبِ رسالت کے، ان کی قرآن دوستی کے اور ان کی لا الٰہ خوانی کے جو عملی مناظر پاکستان کی تیئیس ماہ کی تاریخ کے عجائب خانے میں آراستہ ملتے ہیں، ان کو دیکھ کر ہر حساس مسلمان کی گردن شرم سے جھکی جاتی ہے۔

کسی ملک و قوم کی انتہائی بدقسمتی یہی ہو سکتی ہے کہ نااہل اور اخلاق باختہ قیادت اس کے اقتدار پر قابض ہو جائے۔ ایک سفینۂ حیات کو غرق کرنے کے لیے طوفان کی لہریں وہ کام نہیں کر سکتیں جو اس کے خیانت کار ملاح کر سکتے ہیں، کسی قلعہ کی دیواروں کو دشمن کے گولے اس آسانی سے نہیں چھید سکتے جس آسانی سے اس کے فرض ناشناس سنتری اس کی تباہی کا سامان کر سکتے ہیں۔ بالکل اسی طرح ایک ملت کے لیے بیرونی خطرے اتنے مہلک نہیں ہوتے، جتنا کہ نااہل قیادت کا داخلی خطرہ مہلک ہوتا ہے۔ پھر اگر حالات معمولی نہ ہوں بلکہ ایک قوم کی تعمیر کا آغاز ہو رہا ہو اور یہ آغاز بھی نہایت ناسازگار احوال کے درمیان ہو رہا ہو۔ ایسے حالات میں کسی غیر صالح قیادت کو ایک منٹ کے لیے بھی گوارا کرنا خلاف مصلحت ہے۔ ایک غلط قیادت کی بقا کے لیے کسی طرح کی کوشش کرنا ملک و قوم کے ساتھ سب سے بڑی غداری اور غلط قیادت سے نجات دلانے کی فکر کرنا اس کی سب سے بڑی خیر خواہی ہے۔

لیکن اگر اس خیر خواہی کے راستے بھی بند کر دیئے جائیں اور اصلاحی اور تعمیری قوتوں کے لیے کام کرنے

کا ہر دروازہ مقفل ہو جائے تو یہ ایک سخت خطرناک فال بد ہے ——— اور قاعدے کی بات ہے کہ جب کسی حکومت یا کسی اقتدار یا کسی قیادت کے لئے کوئی عقلی و اخلاقی وجہ جواز باقی نہیں رہتی تو وہ اصلاح و تغیر کے راستوں کو لازماً بند کر دیتی ہے۔ بدقسمتی سے پاکستان میں بھی اصلاح و تغیر کی ہر سعی کو کچلنے کے لئے پورے انتظامات کر لئے گئے ہیں۔

ان انتظامات میں سے ایک یہ ہے کہ عوام ملک کو زندگی کی روزمرہ کی مشکلات میں بُری طرح الجھا دیا گیا ہے، نیز بہت ہی حکیمانہ طریق سے اُن میں بددلی، مایوسی، جمود اور ذہنی انتشار کو پھیلا دیا گیا ہے تاکہ یہ لوگ عام اپنے اکابر کا احتساب کرنے اور ان کی غلطیوں پر حرف گیری کرنے اور ان سے ان کی بے راہ روی پر باز پرس کرنے کے قابل نہ رہیں۔ دوسری تدبیر یہ کی گئی ہے کہ دربار قیادت نے ایسے سیاسی مفتیوں کی خدمات حاصل کر لی ہیں جو کلمۂ حق کہنے والوں کو غدار اور ضعفو کا مستحق قرار دینے کے لئے فتوے نشر کرتے رہتے ہیں۔ تیسری طرف خطرہ خطرہ! کا اعلان کر کے اور قوم میں انتشار پھیلنے کے اندیشے کو ظاہر کر کے اصلاح کی ہر تحریک کو دبانے کا پروگرام اختیار کیا گیا ہے۔ مزید براں یہ کہ ایک خاص سیاسی پارٹی ——— مسلم لیگ ——— کو حکومت نے اپنا متبنّیٰ بنا کر ایک طرح کی یک جماعتی آمریت کو ملک پر غالب کر کے دوسری جماعتوں کو پیچھے ہٹا دیا ہے۔ پھر ستم بالائے ستم یہ کہ سیفٹی ایکٹ کے ذریعے آزادیٔ رائے اور حق تنقید کا پورے ملک میں خون کیا جا رہا ہے۔ پھر ریڈیو جیسے نشرِ افکار کے وسیع الاثر وسیلے کی اجارہ دارانِ اقتدار نے اپنے پروپیگنڈے کے لئے مخصوص کر رکھا ہے اور ان سے اختلاف کرنے والوں کے لئے اظہار خیالات کے دروازے بند ہیں لیکن قیادت کے حفاظتی انتظامات اتنے ہی نہیں ہیں، بلکہ اس کے مریدانِ خاص اور اس کے وکلا کا ایک لشکر کا لشکر ہر شہر اور بستی میں پھیلا ہوا ہے، جو اپنی اغراض کے لئے قیادت کے "خدائی حقوق" کو بحال رکھنے کے لئے اس کی "کرامات" کا چرچا کرتا رہتا ہے اور اس سے اختلاف کرنے والوں پر ہر طریق سے حملہ آور ہونے کو اپنا فرض سمجھتا ہے۔

ان حالات میں اصلاح کی آواز بلند کرنا ٹھیک اس "افضل الجہاد" کی حیثیت رکھتا ہے جس کی سعادت نبی صلعم کے قول مبارک کے مطابق صرف ان لوگوں کے لئے خاص ہے جو سلطانِ جائر کے سامنے نتائج

سے بے پروا ہو کر کلمۂ حق کہہ سکتے ہوں۔ جماعتِ اسلامی نے اس افضل الجہاد میں سبقت کر کے خیر خواہیِ ملت کا پورا پورا حق ادا کیا ہے اور ان شاء اللہ آئندہ بھی وہ اپنے اس شرعی فریضہ کی ادائی سے غافل نہیں ہو سکتی۔

جماعتِ اسلامی نے باطل کے مخالفتی اقدامات کی پروا کئے بغیر ایک ہمہ گیر تعمیری تبدیلی کو عملاً برپا کرنے کے لیے ۱۹۴۸ء کے آغاز سے "مطالبہ نظامِ اسلامی" کی مہم کا آغاز کیا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ مہم ایک منظم عوامی تحریک بن گئی اور ایک سال کی پیہم جدوجہد کے بعد دستور ساز اسمبلی کو اس نے مجبور کر دیا کہ وہ اس مطالبہ کو دستوری حیثیت سے تسلیم کر لے۔ اس ایک سال کے دوران میں دین کے بیسیوں خدمت گزاروں نے اپنا وقت اور مال راہِ حق میں صرف کیا، متعدد اخبارات و جرائد سیفٹی ایکٹ کے وار سے "شہید" ہو گئے اور جماعت کے امیر کو دو رفقا سمیت مغربی پنجاب میں اور تقریباً ۱۱ کارکنانِ جماعت کو صوبہ سرحد میں حوالۂ زنداں کر دیا گیا۔ لیکن تشدد کے یہ سارے وار جماعت کی سرگرمیوں کو کمزور کرنے میں ناکام رہے، بلکہ "ذوقِ جرم" ہر "سزا" کے بعد تیز تر ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ ۱۲ مارچ کو پاک دستوریہ نے قراردادِ مقاصد میں خدا کی حاکمیت، نیابتِ الٰہی، اور "حدود اللہ" کی پابندی کے اصولوں کو قبول کر لیا۔

* "مطالبہ" جس دن میدان میں آیا تھا، اسی دن ایوانِ اقتدار میں "یہ خطرہ" سونگھ لیا گیا تھا کہ اس مطالبہ میں تبدیلیِ قیادت کا مطالبہ فطرۃً مضمر ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اسلامی نظام اپنے قیام و نفاذ کے لئے اسلامی ذہنیت اور اسلامی سیرت رکھنے والے کارکنوں کا محتاج ہے۔ اس وجہ سے نظامِ اسلامی کے قیام کی تحریک از خود انقلابِ قیادت کی تحریک بھی تھی۔ چنانچہ اس خطرہ کو ترجمان القرآن میں پوری وضاحت کے ساتھ پیش کر دیا گیا اور قیادت کے گذشتہ کارناموں پر ایک کھلا کھلا تبصرہ کرنے کے بعد یہ قطعی سوال عوامِ پاکستان کے سامنے رکھ دیا گیا کہ:-

> جو کچھ ہو چکا ہے، وہ تو امٹ ہے۔ اب اسے بدلا نہیں جا سکتا۔ اب اس پر اس حیثیت سے تو بحث بیکار ہے کہ یہ کیا جاتا تو کیا ہوتا۔ البتہ اس حیثیت سے اُس پر بحث کرنا ضروری ہے کہ جو مسائل اب ہمیں درپیش ہیں، کیا اُن کے حل کے لئے بھی وہی قیادت موزوں ہے جو

اس سے پہلے ہمارے قومی مسئلے کو اس طرح (یعنی جس کی تفصیل کی جا چکی ہے) حل کر چکی ہے؟ کیا اُس کا اب تک کا کارنامہ یہی سفارش کرتا ہے کہ اب جو بڑے بڑے اور نازک مسائل ہمارے سر پر آ پڑے ہیں، جن کا بیشتر حصہ خود اس قیادت کی کارفرمائیوں کے نتیجہ میں پیدا ہوا ہے انہیں حل کرنے کے لئے ہم اُس پر اعتماد کریں؟"

یہ سوال ایسے حالات میں پوری مومنانہ جسارت کے ساتھ برسرِ عام رکھ دیا گیا تھا، جب کہ بڑے سے بڑے حریت نواز ___ چاہے خلوتوں میں قیادت کو کتنا ہی سخت سست کہہ کر اپنی بھڑاس نکال لیتے ہوں ___ برسرِ عام تعریف و ثناخوانی اور تملق کے سوا اور کچھ کرنے کی جرأت نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ اقتدار پرست عناصر میں اس سوال پر سخت اضطراب پیدا ہوا۔ یہ آوازِ حق جس شخص نے بلند کی تھی وہ اپنے اس ناقابلِ معافی جرم کی وجہ سے ___ ___ اور درحقیقت اس کا اصل جرم یہی تھا ___ جیل کی سلاخوں کے پیچھے پہنچا دیا گیا لیکن زیادہ دیر نہ گذرنے پائی تھی کہ اس کی آواز ہر گلی کوچے میں دہرائی گئی، جہاں تک کہ گورنر جنرل پاکستان تک کو اسی کی تائید کرنی پڑی۔

ترجمان القرآن کا مجوزہ سوال آج پہلے سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ ملک کے سامنے کھڑا جواب طلب کر رہا ہے!

اس دوران میں قیادتِ پاکستان نے قراردادِ مقاصد پاس کر کے اُس کے الفاظ کو اپنی اجارہ دارانہ اقتدار کے تحفظ کا ایک آخری ذریعہ بنایا ہے لیکن فی الحقیقت یہ قراردادِ مقاصد اس کے لئے ایک کھلا چیلنج ہے۔ اس قرارداد کا ہر لفظ اپنے ساتھ ذمہ داریوں کا ایک بارِ گراں لئے ہوئے ہے اور یہ ذمہ داریاں قراردادِ مقاصد کے مصنفین سے پکار پکار کے کہہ رہی ہیں کہ ہمارے تقاضے پورے کرو لیکن بد قسمتی سے ان تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت یہاں سرے سے ناپید ہے۔ ان حالات میں قراردادِ مقاصد کے مقدس الفاظ اور اس کے تقاضوں اور اس کے مصنفین کی ذہنیتوں اور سیرتوں کا تضاد روز بروز فاش سے فاش تر ہوتا جا رہا ہے۔

یہ قراردادِ خدا کی حکومت کو چلانے کے لئے ایسے کارکن طلب کرتی ہے جو اپنی زندگیاں پوری طرح

اس کی اطاعت و نیابت میں دے دیں، یہ قرارداد تقاضا کرتی ہے کہ نظامِ حکومت کو چلانے والے "حدود اللہ" کا علم اور ان کی پابندی کا پکا ارادہ رکھتے ہوں، یہ قرارداد مطالبہ کرتی ہے کہ اقتدار کی مقدس امانت کے لیے تمکنت کی مقدس ہستیاں میدان میں آئیں، یہ قرارداد واضح طور پہ یہ کہتی ہے کہ اب کام ان لوگوں کے کرنے کا ہے جو اسلامی دستور کو کتاب و سنت سے اخذ کر سکیں اور پھر اسے موجودہ دورِ تمدن کے احوال کے اندر جاری کر سکیں؛ پھر یہ قرارداد یہ بھی چاہتی ہے کہ نظم و نسق ان لوگوں کے ہاتھوں میں ہونا چاہیے جو اسلامی ماحول بنانے کے لئے پوری طرح اہل ہوں۔

مختصر یہ کہ یہ قراردادِ مقاصد ایک نیا معیارِ قیادت اپنے ساتھ لے کے نمودار ہوئی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہمارے سیاسی اکابر اس صورت میں ہمارے لئے کارآمد بن سکتے، جب کہ (خدانخواستہ) ہمیں اپنے ملک میں ایک غیر اسلامی نظام چلانا ہوتا، لیکن اب جب کہ ہم نے دستوری طور پہ یہ طے کر لیا ہے کہ ہمیں اسلامی نظام قائم کرنا ہے تو ظاہر ہے کہ نظام کی تبدیلی قیادت کی تبدیلی کو مستلزم ہے۔

"مطالبۂ نظامِ اسلامی" کی مہم جن دستوری تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے شروع کی گئی تھی، الحمد للہ کہ وہ پورے ہو گئے۔ اب جماعتِ اسلامی کے کام کا دوسرا مرحلہ انقلابِ قیادت کا مرحلہ ہے، جو شاید "مطالبہ" کے مرحلے سے زیادہ مشکل اور پیچ در پیچ مرحلہ ہے۔

"انقلابِ قیادت" کی دعوت کے پھیلنے پر نہ معلوم کیوں بہت سے کان کھڑے ہو گئے ہیں۔ حالانکہ جماعتِ اسلامی نے آج کوئی نئی بات نہیں کہی اور آج اپنے پروگرام میں کوئی جدید اضافہ نہیں کر لیا، بلکہ پاکستان بننے سے بہت پہلے جماعت کے اجتماعِ عام منعقدہ ۱۹۴۵ء میں اس کے امیر نے دعوتِ اسلامی کے تین پہلوؤں کی تشریح کرتے ہوئے "انقلابِ امامت" کو جماعت کے مقاصد میں شمار کیا تھا۔ ملاحظہ ہو! "دعوتِ اسلامی اور اس کے مطالبات":—

"ہمارا اپنے آپ کو بندگیٔ رب کے حوالے کر دینا، اور اس حوالگی و سپردگی میں ہمارا منافق نہ ہونا بلکہ مخلص ہونا، اور پھر ہماری زندگی کو تناقضات سے پاک کر کے مسلمِ حنیف بننے کی کوشش کرنا

لازمی طور پر اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ہم اس نظامِ زندگی میں انقلاب چاہیں جو آج کفر، دہریت، شرک، فسق و فجور اور بد اخلاقی کی بنیادوں پر چل رہا ہے۔ اور جس کے نقشے بنانے والے مفکرین اور جس کا عملی انتظام کرنے والے مدبرین سب کے سب خدا سے پھرے ہوئے اور اس کی شرائع کی قیود سے نکلے ہوئے لوگ ہیں۔ جب تک زمامِ کار ان لوگوں کے ہاتھ میں رہے گی اور جب تک علوم و فنون، آرٹ اور ادب، تعلیم و تدریس، نشر و اشاعت، قانون سازی اور تنفیذِ قانون، مالیات، صنعت و حرفت، تجارت، انتظامِ ملکی اور تعلقاتِ بین الاقوامی، ہر چیز کی باگ ڈور یہ لوگ سنبھالے ہوئے رہیں گے کسی شخص کے لئے دنیا میں مسلمان کی حیثیت سے زندگی بسر کرنا اور خدا کی بندگی کو اپنا ضابطۂ حیات بنا کر رہنا نہ صرف عملاً محال ہے، بلکہ اپنی آئندہ نسلوں کو اعتقاداً بھی اسلام کا پیرو چھوڑ جانا ناممکن ہے" ــــــ فساق اور فجار اور خدا کے باغی اور شیطان کے مطیع دنیا کے امام و پیشوا اور منتظم رہیں، اور پھر دنیا میں ظلم و فساد، بداخلاقی اور گمراہی کا دور دورہ نہ ہو، یہ عقل اور فطرت کے خلاف ہے، اور آج تجربے و مشاہدے سے کالشمس فی النہار ثابت ہو چکا ہے کہ ایسا ہونا ناممکن ہے پس ہمارا مسلم ہونا خود اس بات کا متقاضی ہے کہ "ہم دنیا سے ائمۂ ضلالت کی پیشوائی ختم کر دینے اور غلبۂ کفر و شرک کو مٹا کر دینِ حق کو اس کی جگہ قائم کرنے کی سعی کریں" ــــــ ہماری دعوت صرف اسی حد تک نہیں ہے کہ دنیا کی زمامِ کار فساق و فجار کے ہاتھ سے نکل کر مومنین صالحین کے ہاتھ میں آئے، بلکہ ایجاباً (ہماری دعوت یہ ہے کہ اہلِ ایمان و صلاح کا ایک ایسا گروہ منظم کیا جائے جو نہ صرف اپنے ایمان میں پختہ، نہ صرف اپنے اسلام میں مخلص و یک رنگ اور نہ صرف اپنے اخلاق میں صالح و پاکیزہ ہو، بلکہ اس کے ساتھ ان تمام اوصاف اور قابلیتوں سے بھی آراستہ ہو جو دنیا کی کارگاہِ حیات کو بہترین طریق پر چلانے کے لئے ضروری ہیں اور صرف آراستہ ہی نہ ہو، بلکہ موجودہ کارفرماؤں اور کارکنوں سے ان اوصاف اور قابلیتوں میں اپنے آپ کو فائق تر ثابت کر دے۔"

جماعت کی دعوت کا یہ حصہ جب تک ہمارے اکابر اور ان کے خیر اندیشوں کے لئے براہِ راست کوئی

عملی نتیجہ نہیں رکھتا، ان کے دلوں اور دماغوں کا سکون بحال چلا آرہا تھا۔ لیکن اب جب کہ ان الفاظ کا تعلق براہ راست ہمارے عملی مسائل سے پیدا ہونے لگا ہے، ہم محسوس کرتے ہیں کہ بعض لوگوں میں اضطراب کی ایک لہر اُٹھ رہی ہے۔

اس قسم کے لوگوں کی طرف سے "انقلابِ قیادت" کی خالص اسلامی دعوت کے خلاف آہستہ آہستہ چند اعتراضات کو فروغ دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ہم لازم سمجھتے ہیں کہ اس سلسلے میں غلط فہمیوں کو صاف کرنے کیلئے چند ضروری تصریحات پیش کر دیں۔ اس طرح اہلِ خلوص کے اطمینان کا سامان بھی ہو جائیگا اور بندگانِ اغراض کے موقف کا بودا پن بھی واضح ہو سکیگا نیز تحریکِ اقامتِ دین کے کارکنوں اور ہمدردوں پر ان کی راہِ عمل اور زیادہ روشن ہو کے رہے گی!

کچھ لوگوں کو یہ کہتے سنا گیا ہے کہ جماعتِ اسلامی کا مقصد اگر محض ہاتھوں کا بدلنا نہیں ہے ـــــ جیسا کہ جماعت کے اکثر ذمہ دار لوگوں کی تحریروں اور تقریروں میں تصریحات موجود ہیں ـــــ تو کیوں نہیں وہ قیادت کو اصلاح کیلئے ایک کھلا موقع دیتی؟ آہستہ آہستہ اربابِ قیادت سدھر جائیں گے۔ ورنہ یہ تو ایک عجیب صورت حالات ہے کہ ادھر تو اکابر نے قرار دادِ مقاصد پاس کی اور اُدھر اُن سے مطالبہ شروع کر دیا گیا کہ ایوانِ اقتدار خالی کر دو۔

بات اصل میں یہ ہے کہ فی الواقع جماعتِ اسلامی کے سامنے یہ مقصد تو ہے ہی نہیں کہ ہاتھ "زید" کے نہ ہوں، "بکر" کے ہوں یا "بکر" کے نہ ہوں، "زید" کے ہوں۔ لیکن اس نے یہ بھی تو طے نہیں کر رکھا کہ جو ہاتھ آج پاکستان کی اجتماعی زندگی کی مشین پر متصرف ہیں، وہ اگر منکر کے خادم رہیں تو بھی بہر حال اُن ہاتھوں کو بدلنا جائز نہیں ہے۔ اس کو تو "معروف" کی خدمت کرنے والے ہاتھ چاہئیں، چاہے وہ موجودہ لوگوں کے ہاتھ ہوں یا نئے لوگوں کے۔ جماعتِ اسلامی سے زیادہ اس بات کی خوشی کسی کو نہ ہوگی کہ موجود ہاتھ "منکر" کی خدمت کے بجائے "معروف" کی خدمت کرنے کیلئے سرگرمِ عمل ہو جائیں، اور "شر" کے بجائے "خیر" کے فروغ کا ذریعہ بن جائیں۔ لیکن اگر موجودہ ہاتھوں میں اس طرح کی فوری تبدیلی نمودار نہ ہو ـــ اور یقیناً اب تک ایسے کوئی آثار و علائم دیکھنے میں نہیں آ رہے، بلکہ معاملہ بالکل برعکس ہے ـــــ تو پھر زمامِ کار ان ہاتھوں میں جتنی زیادہ دیر تک رہیگی، سیاست و تمدن کی گاڑی غلط راستے پر اتنی ہی زیادہ دُور جا نکلے گی۔ اقتدار جتنا زیادہ غلط مقاصد کیلئے کام کر لیگا، اصلاح کی کوشش کی کامیابی اتنی ہی ابعد ہوتی جائیگی۔ یا تو ہماری قیادت میں تبدیلی اس طرح رونما ہونی چاہئے تھی جس کی مثال حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے تاریخ اسلام کے ورثے میں چھوڑی ہے ورنہ اصلاح کے انتظار میں ایک غیر معین عرصہ بہر حال نہیں گذارا جا سکتا۔

پھر لوگوں کو یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ دورِ حاضر میں قیادت کسی ایک فرد کو نہیں کہتے بلکہ آج کل زمام کار ایک بڑی جماعت کے ہاتھوں میں ہوتی ہے۔ چنانچہ پاکستان میں نہ تو لیاقت علی خاں صاحب کا نام قیادت ہے، نہ محض ان کی کیبنٹ کو قیادت کہہ سکتے ہیں، بلکہ مرکز میں اور صوبوں میں کئی سو افراد کی ایک ٹیم جو پاکستان کے موجودہ نظم و نسق کو چلانے کیلئے پھیلی ہوئی ہے اس ساری کا نام قیادت ہے۔ اس ٹیم کا ایک حصہ وہ ہے جو حکومت کے سارے کاروبار کو اندر سے کنٹرول کرتا ہے اور ایک حصہ وہ ہے جو ایوانِ حکومت سے باہر عوام میں سیاست اور معاشرت کی سربراہ کاری کرتے ہوئے اندر کی طاقت کو خارج سے تقویت بہم پہنچاتا ہے۔ ان دو گونہ عناصر کی مجموعی لیڈر شپ ہے، جس پر گفتگو کی جا رہی ہے اور ساری لیڈر شپ کو بدلنا ہمارا مقصود ہے، نہ کہ کسی شخص خاص کو یا کسی کیبنٹ کے چند وزراء کو۔ اب قیادت کے اس وسیع تصور کو سامنے رکھ کے سوچیے کہ اتنی بڑی ٹیم کا از سر تا پا بدل جانا امکانِ عقلی کی حیثیت رکھتا ہو تو ہو لیکن امکانِ عملی کے دائرے سے بہرحال خارج ہے۔ پھر سوال یہ بھی تو ہے کہ اس ٹیم کے اندر سے جو تھوڑی اصلاح کا ثبوت دے بھی سکتی ہے وہ بھی ضرور نیت، خیالات اور عادات و اطوار کی تبدیلی تو پیدا کر دکھائیگی لیکن آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ کتاب و سنت کا علم کسی طرح ان حضرات کے سینوں میں لا کے بھر دیا جائے، ان کے دماغ اسلام کے دستور و قانون کے اسرار و رموز کی گرہ کشائی کے ماہر ہو جائیں، ان کے ذہن اسلامی نظام کے مختلف مسائل کو حل کرنے کیلئے یکایک اجتہادی بصیرت کے سرچشمے بن جائیں! اس طرح کی تبدیلیاں، جن کا تقاضا اسلام کرتا ہے، اگر عملاً ایک سو افراد میں نہیں بلکہ چند سو اور چند ہزار افراد کی ٹیم کے اندر پیدا ہو سکیں تو پھر ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ جماعت اسلامی ان ہاتھوں کو بدلنے کی خواہشمند کبھی نہ تھی۔ لیکن اگر ایک پوری ٹیم فرنگی نظام کو چلاتے چلاتے یکایک اسلامی نظام کو چلانے کی قابلیتوں سے مسلح نہ ہو سکے۔ جو عملاً ناممکن ہے، تو آخر ان ہاتھوں میں کونسا تقدس ہے، جس کے پیشِ نظر زمام کار انہیں کے ہاتھ میں چھوڑی جانی لازم ہو!

اصل سوال تو یہی ہے کہ پاکستان میں اسلامی نظام کا قیام و نفاذ جتنا جلد اور جتنے بھلے طریق سے ممکن ہو۔ پس اس مقصد کیلئے کام کرنے والوں کی ایک ٹیم اگر اہل نہ ہو، بلکہ اہل تر لوگوں سے ایک نئی ٹیم مرتب کی جا سکتی ہو تو آخر اس تبدیلی کو کیوں بپا نہ کیا جائے؟ یہ طریق کار آخر کیونکر معقول ہو سکتا ہے کہ تکیہ کے مسجد بن جانے کے بعد بھی اس کی امامت و تولیت بہرحال انہیں لوگوں کی تحویل میں رہنے دی جائے جو تکیہ کے پروہت بنے چلے آ رہے تھے، اور جب تک امامت و خطابت کی قابلیتیں ان میں پوری طرح نشوونما نہ پالیں، قیامِ صلوٰۃ کا اہتمام ہی نہ کیا جائے۔ کوئی پوچھے تو کہہ دیا جائے کہ ہم نے خود امامانِ کرام کو اصلاح کا موقع دے رکھا ہے، اور ان میں تبدیلیوں کے رونما ہونے کا انتظار کر رہے ہیں! اس طرح کی روش تو معاملے کی ترتیب کو بالکل الٹ دیتی ہے، یعنی مقصد تو یہ ٹھہرا کہ فلاں خاص قیادت کو بہرحال برقرار رہنا چاہیے، خواہ ایک نظام جس کے قیام و نفاذ کا فیصلہ ہو چکا ہو اس کے تقاضے پورا کرنے کیلئے ضروری صلاحیتیں موجود نہ ہوں اور ان کے پیدا ہونے کے

انتظار میں ایک غیر معین مدت کیوں نہ گذارنی پڑے ———— سیدھی بات یہ ہے کہ اسلامی نظام کیلئے نئی قیادت بہرحال لازمی ہے اور اسے جلد از جلد بپا ہونا چاہیئے، رہا یہ امر کہ موجودہ قیادت کی ٹیم میں اگر کچھ افراد اصلاح پذیر ہو جائیں تو ان کا کیا بنے گا، سو یہ واضح ہے کہ اگر اسلام کے معیارِ قیادت پر کچھ پرانے لوگ اپنے اندر تبدیلیاں پیدا کرنے کے بعد پورا اتر سکیں اور لوگوں کو مطمئن کر سکیں تو نئی قیادت کی صفوں میں ان کے لئے یقیناً جگہ پیدا ہو سکتی ہے۔

بعض گوشوں سے جماعت کو یہ طعنہ دینے کی ابتدا بھی ہو چکی ہے کہ جماعتِ اسلامی بھی اقتدار کی بھوکی ہے اور اب تک ساری ادیان اسی مقصد کیلئے طے ہو رہی تھیں۔ ابتداءً اس مقصد کو اخفا میں رکھا گیا تھا لیکن اب موقع آنے پر یہ مقصد کھل کے سامنے آرہا ہے۔

معاذ اللہ، اگر جماعتِ اسلامی کا کوئی فرد اس نیت کیساتھ بھی جماعت میں آیا ہو کہ اس کا اصل مقصود عہدے اور وزارتوں پر قبضہ کرنا ہو یا کسی کارکن کے متعلق یہ حقیقت اگر جماعت کے علم میں آجائے تو وہ اپنے دائرے میں اس وجود کو ایک لمحہ کیلئے گوارا کرنے پر بھی تیار نہیں ہے۔

لیکن دوسری طرف انقلابِ قیادت کی داعی ہونے کی حیثیت سے جماعت کی دینی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ فاسد قیادت کو صالح قیادت سے بدلے۔ وہ اپنے لئے کسی طرح اس بات کو جائز نہیں سمجھتی کہ زندگی کے سارے معاملات فاسقین کے ہاتھوں میں رہیں اور وہ صالحین کو اپنے ساتھ جمع کر کے ایک گوشۂ خمول میں پڑی رہے۔ فسق کی قوت جو پاکستان اور ساری دنیا میں انسانیت کی گردن پر سوار ہے اسے بہرحال برطرف کرنے کی سعی کرنا جماعت کی عین اسلامی ذمہ داری ہے، جیسا کہ اوپر کے ایک اقتباس سے واضح ہے۔ اس ذمہ داری کو ادا کرنے کی وجہ سے اگر اس پر جاہ پسندی کا الزام عاید کیا جائے تو یہ بہرحال اس کام کے کرنے والوں پر ہمیشہ عاید کیا ہی جاتا رہا ہے۔ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی دعوتِ انقلاب کو سن کر فرعون نے بھی یہی کہا تھا کہ تم لوگوں کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ تکون لکما الکبریاء فی الارض۔ کہ زمین میں تم کو سیاسی برتری حاصل ہو جائے۔ پھر حضرت عیسیٰ پر بھی یہودیوں کا "بادشاہ" بننے کی خواہش کا طعنہ رسید کیا گیا تھا۔ خود نبی صلعم کو بھی دعوتِ حق سے روکنے کیلئے تاجِ عرب کی پیشکش اسی مفروضہ کی بنا پر کی گئی تھی کہ شاید آپ بادشاہت کے حریص ہیں۔

درحقیقت یہ الزام تراشی فسق کی قیادت کا ایک نیا حربہ ہے جسے وہ صالحیت کا راستہ روکنے کیلئے استعمال کرتی ہے۔ لیکن اگر پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ صالحیت کی طاقت نے فسق کو شکست دینے کی کوششیں اس الزام کے ڈر سے روک دی ہوں تو اب بھی انشاء اللہ ایسا نہیں ہوگا کہ جماعتِ اسلامی اس الزام کے ڈر سے دبک کے بیٹھ جائے۔ یہ ایک عجیب صورتِ حال ہے کہ اگر فسق کی طاقتیں اقتدار کو اپنی خواہشات و اغراض کے مطابق خدا کی حدود سے آزاد ہو کر استعمال کرنے کیلئے ہاتھ میں لینا چاہیں تو اس پر تو کوئی اضطراب بپا نہ ہو، لیکن اگر صالح عناصر کے ذریعے اقتدار کو حدود اللہ کا پابند بنانے کی کوئی جدوجہد شروع کی جائے تو اس صورت میں صاحب

پرستی کا فتنہ باقاعدہ ایک ہتھیار کے طور پر کام میں لایا جانے لگے۔ اگر ہم اپنے مقصد کی خدمت میں مخلص ہیں تو یاد رکھیے کہ اس فرسودہ ہتھیار کو ہم کامیاب نہ ہونے دیں گے۔

پھر ایک اعتراض موجودہ اقتدار کے پرستاروں کی طرف سے یہ بھی اچھالا جا رہا ہے کہ ملک نازک حالات میں گھرا ہے اور متعدد پیچیدہ مسائل اور ٹھوس خطرات اس کے گرد منڈلا رہے ہیں، اس حال میں انقلاب قیادت کی صدا بلند کرنے سے قوم کی طاقت کمزور ہو جائے گی۔ یہ دلیل ٹھیک اس دلیل کی ضد ہے، جو ایسے موقع پر پوری طرح راست آتی ہے یعنی اصل میں استدلال تو یہ ہونا چاہیے کہ ملک چونکہ نازک حالات میں گھرا ہے اور پیچیدہ مسائل اور خطرات اس کو چیلنج کر رہے ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ ایک مضبوط، صالح اور اہل تر قیادت جلد از جلد بروئے کار لائی جائے لیکن یہاں منطق بالکل الٹ دی گئی ہے۔

قاعدے کی بات ہے کہ عام حالات میں جیسی کیسی قیادت ہو، کام چلتا رہتا ہے لیکن جونہی کوئی پیچیدہ صورت حالات خطرات کو لے کے نمودار ہوتی ہے، زندہ قومیں فوراً اپنے لیے مضبوط سے مضبوط قیادت فراہم کرنے کی فکر کرتی ہیں اور ہمیشہ نازک حالات ہی میں سیاسی اور فوجی قیادتوں میں تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ وزارتیں سخت خطرات کا سامنا کرتے وقت بدلتی ہیں اور فوجی کمانڈر جنگ کے نازک ترین مراحل میں تبدیل ہوا کرتے ہیں۔ آج ہم اگر سخت پیچیدہ مسائل سے دوچار ہیں تو عین یہی وہ لمحہ ہے جب کہ ہمیں صالح ترین قیادت کو سامنے لانا چاہیے، ورنہ اگر بعد میں حالات قابو سے باہر ہو گئے تو پھر کوئی بہتر سے بہتر قیادت وقت گزرنے کے بعد ان کو براہ نہ لا سکے گی۔

مہاجرین، مزارعین اور مزدوروں کے داخلی مسائل کے علاوہ اس وقت پاکستان کو بین الاقوامی مسائل میں اپنے لیے ایک ایسی محتاط اور آزاد پالیسی کو نشوونما دینا ہے جو اسے آنے والی ہولناک ترین جنگ عظیم کو سلامتی سے عبور کرنے کے قابل بنا سکے اور دنیا کی دو بڑی طاقتوں ـــــ سفید شہنشاہیت اور سرخ شہنشاہیت ـــــ میں سے کوئی بھی اسے اپنے لیے ادنےٰ آلۂ کار کی حیثیت سے استعمال نہ کر سکے۔ یہ کام ایک صالح اور ہوشیار قیادت کے برسر عمل آئے بغیر نہیں ہو سکتا۔ پھر کشمیر کا مسئلہ بھی ایک زیرک تر اور اعلیٰ تر قیادت کے ناخن گرہ کشا کا منتظر ہے اور اس کے ساتھ انڈین یونین سے دوسرے معاملات میں عہدہ برآ ہونے کے لیے بھی انقلاب قیادت کے سوا اب کوئی چارہ کار باقی نہیں رہا۔ تیسری طرف کمیونزم کا طوفان ہمارے دروازوں پر دستک دے رہا ہے اور یہ حقیقت محتاج استدلال نہیں کہ موجودہ قیادت اس طوفان کو روکنے کے لیے مسلم سوسائٹی کے قلعے کی مضبوطی کا نہ کوئی سامان اب تک کر سکی ہے، اور نہ اس سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ یہ اسلام کے اصولوں

کوئی معاشی تنظیم کی اساس بنا کر کوئی ٹھوس تبدیلیاں برپا کر سکے گی۔

وقت انتہائی شدت سے تبدیلیٔ قیادت کا مطالبہ کر رہا ہے اور جماعت اسلامی اس کے سوا کسی جرم کی مجرم نہیں ہے کہ وقت کے اس معقول ترین مطالبہ کو وہ سیاسی فضاؤں میں نمایاں کر رہی ہے۔ اس فرض کی ادائی میں اگر اسے جاہ طلبی کا الزام بھی مملکت کے مفاد کی خاطر برداشت کرنا پڑے تو یقیناً اس کے لئے لازم ہے کہ یہ ایثار بھی کر گزرے۔ الحمد للہ کہ وہ اس کے لئے ہمہ تن تیار ہے۔

کہنے والے یہ بھی کہتے ہیں، کہ موجودہ سربراہ کاروں کے علاوہ قوم کوئی بہتر قسم کے افراد رکھتی ہی نہیں، بلکہ جماعت سے یہ دریافت کیا جاتا ہے اور شاید آگے چل کے قدم قدم پر دریافت کیا جائیگا کہ نئی قیادت ہے کہاں؟

اس سوال کے جواب میں کچھ عرض کرنے سے پہلے پھر قیادت کے وسیع تصور کی طرف متوجہ کر دینا ضروری ہے۔ نئی قیادت کے معنی اگر ایک خاص فرد کے نہیں ہیں تو یقیناً اس کی نشاندہی کی صورت بھی نہیں ہے کہ کسی ایک شخص کا نام پیش کر دیا جائے کہ فلاں کو ہٹا کر فلاں کو سامنے لانا مقصود ہے۔ پھر انقلاب قیادت کے معنی چونکہ یہ بھی نہیں کہ مرکز کے کابینہ کے پانچ سات افراد کی جگہ نئے پانچ سات افراد کو مناصب پر متمکن کیا جانا ہے۔ اس وجہ سے چند آدمیوں کے ناموں کی فہرست بھی کسی کے سامنے رکھ دی جائے۔ بلکہ درحقیقت ایک نئی ٹیم مطلوب ہے جو نئے اصولوں پر سارا کاروبار مملکت کامیابی سے چلا کر دکھائے۔ قیادت کے اس تصور کے پیش نظر نئی قیادت پر اگر غور کرنا ہو تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ کیا ہمارے ملک میں سو دو سو چار سو اشخاص ایسے پائے جاتے ہیں:۔

ا:- جو اسلام کا پورا پورا علم اسکے اصل مآخذ کے ذریعے حاصل کئے ہوئے ہوں اور نظام اسلامی کو چلانے کے لئے اسلامیات میں مجتہدانہ بصیرت رکھنے کے ساتھ ساتھ موجودہ دور کی عالمگیر سیاست اور مختلف نظام ہائے باطل کو سمجھتے ہوں اور عصر رواں کے تمدنی تقاضوں سے اتنے آگاہ ہوں کہ اسلام کے اصولوں سے آج کی زندگی کے پیچیدہ مسائل کو حل کر سکیں۔

ب:- اور جو اپنی شخصی اور پبلک زندگی کے اعتبار سے بے داغ سیرت کے مالک ہوں کہ ان کی دیانت و امانت پر بھروسہ کیا جا سکے۔

اگر ایسے افراد فی الواقع سو ڈیڑھ سو کی تعداد میں بھی ہماری سوسائٹی فراہم نہیں کر سکتی تو پھر ہم کو کسی دن فرصت نکال کر اپنی فاتحہ خوانی کی مجلس منعقد کر لینی چاہئے، کیونکہ اتنے ہولناک قحط الرجال اور بصیرت و اخلاق کے اتنے شدید دیوالیہ پن کے ساتھ کوئی قوم کبھی پنپ نہیں سکتی۔ لیکن اگر ایسا نہیں ہے ---- اور جماعت اسلامی یہ دعویٰ رکھتی ہے کہ ایسا نہیں ہے ---- تو اگر پوری قوم میں سے مذکورہ بالا اسلامی معیار کے کم سے کم سو ڈیڑھ سو افراد بھی حاصل ہو سکیں تو پھر انقلاب قیادت عمل میں آسکتا ہے۔ ایک نئی ٹیم جب میدان میں آتی ہے تو پرانی ٹیم سے ٹوٹ ٹوٹ کر لوگ اس میں شامل ہونے کے لئے اپنے آپ کو بدل لیتے ہیں، اور وہ پرانے کارکنوں میں سے ایک اچھے جوہر کو ساتھ لے کر جب پورے معاشرہ پر اثر انداز ہوتی ہے تو پھر مسلسل نئے معیار کے نئے کارکن سوسائٹی میں سے برآمد ہونے لگتے ہیں۔

ہمارے ہاں قحط الرجال یقیناً اس خطرناک حد تک پہنچا ہوا نہیں ہے۔ دینداری اور شرافت کے پاس آج بھی اس سے زیادہ اور بہتر مردان کار موجود ہیں، جتنے اور جیسے فسق کی طاقت نے فراہم کئے ہیں۔ مشکل صرف یہ رہی ہے کہ دینداری اور شرافت کو انگریزی نظام نے زندگی کے مسائل پر اثر انداز ہونے سے الگ کرنے کی جو کوشش کی ہے اس کی وجہ سے ہمارا بہترین جوہر ہماری آخری صفوں میں گوشۂ خمول میں منتقل ہو گیا ہے۔ جماعت اس جوہر کو ہر طرف سے سمیٹ کر بروئے عمل لانا چاہتی ہے۔ اب فسق کی طاقت کو پیچھے ہٹ کر انہیں گوشہ ہائے خمول میں جانا پڑیگا جن میں اب تک تقویٰ اور صالحیت کے جوہر کو محصور رکھا گیا ہے۔

خوب سمجھ لیجئے کہ اگر ایک اصول اور مقصد کے لئے کام کرنے والے لوگ کسی مرکز تنظیم پر سمٹنے لگتے ہیں تو لازماً ایسی منظم طاقت کے اندر سے ایک نئی قیادت رونما ہوتی ہے۔ جماعت اسلامی نے اب تک یہی کام کیا ہے یہی کہ اس نے ایک مقدس اصول و مقصد پر کام کرنے کے لئے قوم کے صالح عناصر کو مجتمع اور منظم کیا ہے اور آئندہ بھی کرتی رہے گی۔ یہ تنظیمی عمل قطعی طور پر ایک نئی قیادت کا ہیولیٰ ہے۔ پس یہ کہنا کہ انقلاب قیادت کے لئے کارکنوں کا کوئی مایوس کن قحط ہے، محض موجودہ غلط قیادت کے پرستاروں کا ایک حوصلہ شکن پروپیگنڈہ ہے ---- اور کچھ نہیں!

اس قسم کے اعتراض اٹھانے والوں کی خدمت میں آخری گذارش یہ ہے کہ وہ براہِ کرم خوب اچھی طرح سمجھ لیں کہ جماعت اسلامی کوئی وقتی اور جزوی مقاصد کے لئے کام کرنے والی محض اصلاحی سی انجمن نہیں ہے جس کا کام صرف

قراردادیں پاس کرکے عالمِ بالا تک درخواستیں کر دینے تک محدود ہو اور اس کی جتنی دعائیں سن لی جائیں، ان کو غنیمت سمجھ کر پڑی رہے اور حالات کی تبدیلی کے لئے براہِ راست ان میں کوئی مداخلت نہ کرے۔ پھر وہ کوئی منفی قسم کا کام کرنے والی جماعت بھی نہیں ہے، بلکہ اس کے سامنے ایک مثبت پروگرام ہے، جو اس سے منفیانہ مسلک کا نہیں، فاعلانہ اقدام کا طالب ہے۔ یہ فاعلانہ مگر پُرامن اقدام جس طرح اس نے مطالبہ کی مہم میں کیا تھا، اسی طرح وہ انقلابِ قیادت کی مہم میں بھی مثبت سرگرمیوں سے یقیناً کام لے گی۔

اگر انتخابات دور ہوتے تو شاید اسے ان کو قبل از وقت منعقد کرانے کے لئے یا دوسرے جمہوری طریقوں سے انقلابِ قیادت بپا کرنے کے لئے کوئی مخصوص پروگرام اختیار کرنا پڑتا، لیکن اب چونکہ انتخابات بالکل سامنے ہیں، لہٰذا اب اس پیشِ نظر موقع ہی کو وہ اصلاحِ احوال کے لئے پوری طرح استعمال کرے گی۔ اس کی نگاہ میں آئندہ انتخابات اسلام اور جاہلیت یا صالحیت اور فسق کا ایک کھلا کھلا معرکہ ہوں گے۔ اس معرکہ میں فسق کو شکست دینے کیلئے صالحیت کی اور جاہلیت سے اقتدار سلب کرنے کیلئے اسلام کی پوری پوری حمایت و تائید نہ کرنا قوم سے دشمنی اور اسلام سے صریح غداری ہے۔ جماعت اگر اسے گوارا نہیں کر سکتی کہ قراردادِ مقاصد کے پاکیزہ الفاظ کی توہین ہو اور یہ اسلامیت کا اعلان کچھ لوگوں کا سیاسی مہرہ بن کر ایک کھوٹے سکے کی طرح اپنی قدر و قیمت کھو دے تو اسے لازماً اس قراردادِ مقاصد کے تقاضے پورے کرنے والے اہل ترین افراد کو سوسائٹی میں سے چھانٹ کر سامنے لانے کے لئے عوام کو تیار کرنا ہوگا اور پورے صالح عناصر کو ایک صف میں منظم کرکے میدان میں لانا ہوگا، ورنہ اگر عملی حالات میں مداخلت سے اجتناب کرتے ہوئے محض وعظ کہنے اور تجاویز پاس کرنے تک اس کی سرگرمیاں محدود ہوں تو ظاہر ہے کہ اس کام کے لئے بے شمار دینی دنیوی انجمنیں موجود ہیں، ان میں جماعتِ اسلامی کے نام سے ایک اور انجمن کا اضافہ کرنے کی ہرگز کوئی ضرورت نہ تھی۔

رہا یہ امر کہ انتخابات میں کیا کام کرنا ہے اور کس طرح کرنا ہے، اس کے متعلق ہم انشاء اللہ آئندہ اشارات میں گفتگو کریں گے۔